عورت پبلیکیشن
اینڈ انفارمیشن
سروس فاؤنڈیشن

قانون سازی پر نظر

بانی ادارت: شہلا ضیاء

سرپرست اعلیٰ: نگار احمد

ہماری اصلیت کا امتحان

منگل 4جنوری 2011ء کو اسلام آباد میں جب ہمارے نیوزلیٹر کا شمارہ پریس میں جارہا تھا تو اس وقت سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو اس کے سیکورٹی گارڈ نے قتل کردیا، جس نے بعد میں اعتراف جرم بھی کرلیا۔ تاثیر کے اندوہ ناک قتل کے بعد اسکے سیاسی اور نظریاتی محرکات جاننے کیلئے پورے ملک میں ایک بحث چھڑ گئی۔ ذیل میں اس واقعے کے بارے میں ایک مضمون پیش کر رہے جو ہمارے معاشرے میں عدم برداشت کے رویوں اور قانون کی حکمرانی کی صورتحال پر موجود واضح تقسیم کی وضاحت کرتا ھے۔

تحریر: عامر ضیاء

پاکستان میں سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کی اپنے ہی محافظ کے ہاتھوں ہلاکت کے بعد عقل پسند اور مذہبی علماء کے مابین موجودہ سالوں میں تقسیم کبھی اتنی واضح اور سخت نہ تھی جتنا گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے اپنے محافظ کے ہاتھوں قتل کے بعد سامنے آئی ہے۔

کچھ مذہبی جماعتیں اور مذہبی جنونیت رکھنے والے افراد جو قاتل ممتاز قادری کو اس بنیاد پر ہیرو سمجھتے ہیں کہ اس نے ناموس رسالت قانون کی مخالفت کرنے والے شخص کو قتل کردیا ہے سلمان تاثیر کے قتل کے حوالے سے عدالتی کاروائی میں وہ تمام اجزاء ہیں جس سے ریاست کیلئے ایک خطرناک مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے۔

کراچی میں 9 جنوری 2011 کو ایک ریلی سے خطاب کرتے ہوئے مذہبی جماعتوں کے سرکردہ راہنماء بشمول مولانا فضل الرحمٰن نے اعلان کیا کہ کچھ بھی ہوجائے وہ سلمان تاثیر کے قاتل کا دفاع کریں گے۔

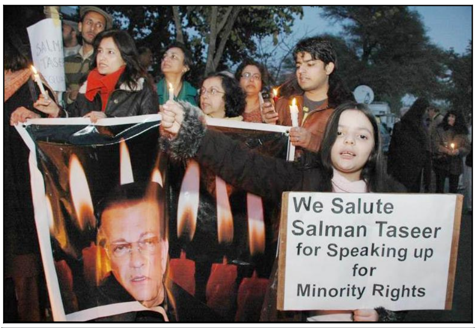

سلمان تاثیر کیلئے اسلام آباد میں دیا جلاؤ۔ 5 جنوری 2011

ملک کی سول سوسائٹی بالخصوص این جی اوز اس قتل اور قاتل کی مذمت کرنے میں سب سے آگے ہیں ستم ظریفی کہ ایک طرف کا ولن دوسری طرف کا ہیرو بن رہا ہے۔

وکلاء کا ایک فعال اور مذہبی جماعتوں کا حامی طبقہ ممتاز قادری پر گلاب کے پھول نچھاور کررہا ہے جو اس مسئلے کی پیچیدگی اور حساسیت کو نظرانداز کر رہا ہے اور جب تک جنون اور قدامت پرستی بالادست رہیں گی درمیان کا کوئی حل نظر نہیں آتا کہ یہ دو نظریاتی مخالف فریق ایک دوسرے کا سامنا کرسکیں۔ تمام قسم کی مذہبی جماعتیں اس المناک سانحے کے حوالے سے زیادہ سخت اور تلخ نظر آتی ہیں۔ جس طرح انہوں نے ناموس رسالت قانون کے مُسلمہ ہونے پر ایک مہم چلانے کی کوشش کی، ایسے لگتا ہے کہ ان میں موجود انتہاء پسند اپنے ایجنڈے کو بڑھاتے ہوئے بڑے مقاصد کی منصوبہ بندی کرسکتے ہیں۔ فوری، موجودہ عوامی ردعمل بھی ان کیساتھ نظر آتا ہے۔

ملک کی لبرل، سیکولر اور عقل پرست قوتیں ایک منظّم سیاسی گروہ کی شکل نہیں رکھتیں۔ سیاسی جماعتیں جنہیں قانون ناموس رسالت اور سلمان تاثیر کے قتل کے حوالے واضح نقطہ نظر رکھنا چاہیے تھے، تذبذب کا شکار ہیں۔ حتیٰ کہ حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی جس کے اپنے دو قائدین محترمہ بےنظیر بھٹو اور سلمان تاثیر کو شدت پسندوں نے قتل کردیا وہ بھی بہت پیچھے نظر آتی ہے۔

بقیہ صفحہ 5 پر

عاصمہ جہانگیر نے تاریخ رقم کردی

تحریر: نیئر شبانہ کیانی

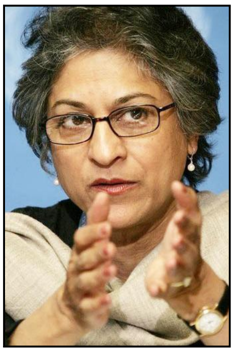

عاصمہ جہانگیر نے 27 اکتوبر 2010 کے دن، اپنے مدمقابل دو مرد امیدواروں کو ایک سخت مقابلے کے بعد شکست سے دوچار کردیا اور 27 اکتوبر 2010 کو سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی پہلی خاتون صدر بن کر تاریخ رقم کردی۔ انہوں نے 834 ووٹیں حاصل کیں اور اپنے مدمقابل کو 38 ووٹوں کی برتری سے شکست دے دی۔ عاصمہ نے اپنی جیت کو ترقی پسند اور جمہوری طاقتوں کی جیت قرار دیا ہے۔ عاصمہ نے اپنی زندگی عورتوں، اقلیتوں اور بچوں کے بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی جنگ میں انتہائی بہادری سے وقف کی ہے۔

بقیہ صفحہ 4 پر

مسرت حلالی پہلی عورت محتسب اعلیٰ

از: سٹاف رپورٹر

وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے 22 دسمبر 2010ء کو عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کیخلاف ایکٹ 2010 کے تحت ایک موثر نظام بناتے ہوئے مسرت حلالی کو پاکستان کی پہلی خاتون محتسب اعلی نامزد کیا۔ ان کا تعلق ملاکنڈ سے ہے۔ انہوں نے پشاور یونیورسٹی سے قانون کی سند حاصل کی۔ 1983ء میں ڈسٹرکٹ کورٹس اور 1988 میں ہائی کورٹ میں بطور وکیل رجسٹرڈ ہوئیں۔ مسرت حلالی 89-1988ء تک ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن خیبر پختونخواہ کی سیکرٹری منتخب ہوئیں، دومرتبہ (93-1992) اور (94-1993)

بقیہ صفحہ 5 پر

تعمیر امن کیلئے عورتوں کے کردار پر عالمی اتفاق رائے

سلامتی کونسل کی قرار داد 1325 کی دسویں برسی

تحریر: روبینہ سیگل

اقوام متحدہ کی قرارداد 1325 کی منظوری کو 31 اکتوبر 2010 کے دن دس برس مکمل ہوجائیں گے۔ یہ مناسب موقع ہے کہ اس قرارداد کو اپنائے جانے کی وجوہات، اس کے بدستور مفید و متعلق ہونے اور خصوصاً اسے پاکستانی تناظر میں موثر بنانے کیلئے درکار اقدامات کا جائزہ لیا جائے۔

تاریخی پس منظر

عصر حاضر میں تضاد کی نوعیت' دائرہ اور اثر پزیری میں بڑی تبدیلیوں کے کئی مراحل آئے۔ آج جہاں اقوام اور ممالک کے مابین جنگیں جاری ہیں وہاں تضادات کی غالب تعداد، ذیلی قومی گروپوں یا مختلف ذیلی قوموں اور ذیلی ریاستی گروپوں کے درمیان دیکھی گئی ہے۔ دنیا کے کئی حصوں میں لسانی' مذہبی اور فرقہ وارانہ جھگڑے، شہری آبادیوں کے لئے ماضی کے کسی بھی دور کے تقابل میں زیادہ باہمی نزاع کا باعث بنے۔ تضاد کے شہری رنگ اختیار کرنے کا عمل' معاشروں کو عسکریت پسند بنانے کے عمل کے ساتھ ساتھ ہی شروع ہوا۔ غیر ریاستی یا بالا ریاستی اور ریاست پار نوعیت کی بڑھتی ہوئی مسلح تحریکیں، وسیع پیمانے پر ہتھیاروں اور چھوٹے اسلحہ کے پھیلاؤ کا باعث بنیں جسے بڑے بڑے شہروں میں شہری آبادیوں کے خلاف استعمال کیا گیا۔

شہریوں پر مسلح تنازعات کے بڑھتے ہوئے اثر سے' عورتوں کو کئی انداز میں نبرد آزما ہونا پڑا۔ بنیادی طور پر عورتوں کو دو طرح کے تضادات کا سامنا رہا ہے: (i) غیر جنگجو ہونے کی حیثیت میں لڑائی سے متاثرہ اور اس کے انتہائی زد پذیر نشانہ ہوتے ہوئے (ii) اپنے مرد ساتھیوں کے ہمراہ بطور جنگجو، سرگرمی سے جنگ لڑتے ہوئے۔ حالیہ عہد میں جنگجو اور غیر جنگجو میں حد فاصل البتہ مبہم ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ بطور جنگجو بھی عورتیں' صنفی خصوصیت کے اعتبار سے، زیادہ زد پذیر ہیں اور بطور غیر جنگجو وہ ایسی ثانوی جنگی مشقت کا حصہ بن سکی ہیں جو تضادات کی پشت پناہی اور اسے بڑھاوا دے سکتی ہے۔

تضادات کا عورتوں پر اثر

غیر جنگجو ہوتے ہوئے عورتیں، بالواسطہ یا بلاواسطہ، کئی طرح سے تضاد سے جنم لینے والے تشدد کے خطرے سے دوچار ہوتی ہیں۔ بلاواسطہ تشدد کے حوالے سے عورتیں، بلاامتیاز بمباری' فائرنگ' میزائل حملوں، اور کبھی کبھار اپنے مرد رشتہ داروں سے متعلق معلومات کے حصول کیلئے گرفتار ہونے' جسمانی تشدد کا بھی سامنا کرتی ہیں۔ ایسے حملوں میں یا ان کے دوارن اپنے بچوں کے ہمراہ گھروں سے نکل بھاگتے ہوئے، بیسیوں عورتیں جن میں حاملہ اور دودھ پلاتی مائیں شامل ہیں، قتل کی جاچکی ہیں۔

جنگ اور تضادات کے دوران عورتوں کے خلاف بلاواسطہ تشدد کی اولین شکلوں میں سے ایک وہ جنسی حملہ ہے جس کا ارتکاب گھر میں مردوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانے والے یا 'دشمن' گروپوں کے اراکین کی طرف سے ہوتا ہے۔ کسی قوم یا آبادی اور

بقیہ صفحہ 2 پر

تعمیر امن کیلئے عورتوں کے کردار پر عالمی اتفاق رائے

بقیہ صفحہ 1 سے

بطور گروپ، تولیدی اور ثقافتی حیات نو کی نمائندگی کا علامتی بوجھ عورتوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ حریف یا دشمن گروپ کے اراکین کا عورتوں پر جنسی تشدد' مردوں کے اس گروپ کے خلاف فتح کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو اپنی عورتوں کا تحفظ کرنے میں ناکام رہے۔ عصمت دری حتمی فتح سمجھی جاتی ہے کیونکہ اسے دشمن کی نسل آلودہ کرنے کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اسی باعث عصمت دری کا نشانہ بننے والی عورتوں کو اکثر اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مصائب جھیلنا پڑتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی غیرت پر حرف آ گیا ہے اور وہ متاثرہ خاتون کو قتل کر دیتے ہیں یا اس سے لاتعلقی اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں اس عورت کو دو مرتبہ سزا دی جاتی ہے۔ پہلی بار ان سے زیادتی کا ارتکاب کرنے والوں کے ہاتھوں اور پھر اس کے اپنے خاندان کے ہاتھوں 'کلنک' ہو جانے کی پاداش میں۔ عورتوں پر بالواسطہ تشدد کی کثیر شکلیں ہیں۔ انہیں سنگین خطرے اور عدم تحفظ کے حالات میں بھی اپنے اہل خاندان کیلئے خوراک اور پانی، بیماروں، بوڑھوں اور کمسنوں کیلئے طبی نگہداشت مہیا کرنے اور روزمرہ بقائے حیات سے متعلق مختلف النوع امور سرانجام دینا پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ نام نہاد زمانہ امن میں بھی، بنیادی طور پر عورتیں ہی کمسنوں اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ لڑائی کے دوران' معیشت کے عورتوں پر انحصار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ گھر کے مردوں کے محاذ جنگ پر ہونے کے نتیجے میں اہل خاندان کو زندہ رکھنے کیلئے روزی روٹی تلاش کرنے کی ذمہ داری اکثر عورتوں کو سنبھالنی پڑتی ہے۔ یہ دباؤ بسا اوقات بھیک مانگنے اور جسم فروشی کا سبب بھی بن جاتا ہے، خصوصاً ان کیلئے جو جنگ کے باعث بیوہ ہو جائیں اور انہیں کمسنوں اور کمزوروں کا پیٹ پالنا پڑے۔ عورتوں کو اکثر سرکاری حکام سے 'لاپتہ' اور 'غائب' افراد سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی اٹھانا پڑتی ہے۔ مہاجر یا نقل مکانی کرنے والوں کے کیمپوں میں سب سے زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی ہوتی ہے۔

کیمپوں میں زندگی کٹھن اور نرمی سے عاری ہوتی ہے۔ روزانہ کے کھانے کی تیاری اور دیکھ بھال کا کام زیادہ تر عورتیں سرانجام دیتی ہیں۔ ایک ناپائیدار ماحول میں رہتے ہوئے انہیں اپنی صحت سے متعلق ایسے مسائل لاحق ہو جاتے ہیں جن کیلئے فوری طبی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے جو کیمپوں کے حالات میں شاید آسانی سے دستیاب نہ ہو سکے۔ بیت الخلاء شاید چند ہی ہوں جنہیں بیسیوں دیگر عورتوں کے ساتھ استعمال میں لانا پڑتا ہے، لہٰذا عورتوں کی صحت اور حفظان صحت کی ضروریات کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ شاذ و نادر ہی حاملہ' دودھ پلانے والی ماؤں اور ایام حیض میں عورتوں کی ضروریات کے لئے خصوصی اشیاء دستیاب ہوتی ہیں۔ سخت گیر حالات اور اجنبی ماحول میں روزی روٹی، بقا' روزمرہ امور داری اور کم سنوں کی دیکھ بھال سے جسمانی' نفسیاتی اور جذباتی عوارض جنم لیتے ہیں۔ لڑائی میں بطور جنگجو شامل عورتیں' چاہے وہ بلاواسطہ طور پر لڑاکا ہوں یا ترسیل' باورچی گیری یا نگہداشت جیسے ثانوی کردار ادا کر رہی ہوں، انہیں مختلف طرح کے مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ حراست کے زیادہ تر مراکز مرد جنگجوؤں کے لئے ہیں۔ ایسے مراکز بہت کم ہیں جہاں لڑائی کے دوران حراست میں لی گئی عورتوں کی مخصوص ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بعض مراکز مردوں کے حراستی مقامات سے جڑے ہوتے ہیں جہاں عورتوں کیلئے خصوصی سہولتوں کے حامل علیحدہ بیت الخلاء نہیں ہوتے۔ ان حراستی مراکزی میں عورتوں کے معاملات سے نمٹنے کیلئے تربیت یافتہ عورتیں ملازمین بھی بہت کم ہیں یہ حراستی مراکز تضادات کے دوران حراست میں لی گئی عورتوں کے خلاف اکثر سنگین جنسی اور دوسرے تشدد کے حامل مقامات بن جاتے ہیں۔

انسان دوستی سے متعلق بین الاقوامی قانون

انسان دوستی سے متعلق بین الاقوامی قانون (IHL) جو بین الریاستی لڑائی سے متعلق ہے، تاریخی اعتبار سے اس کے ذریعے جنگی جرائم بشمول جنگی جرائم کی صنفی نوعیت جیسے مسائل سے نمٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بین الاقوامی قانون مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو برابر تحفظ مہیا کرنے کے علاوہ جنگ اور لڑائی کی صورت حال میں عورتوں کی مخصوص ضروریات کو بھی زیر غور لاتا ہے مثلاً آئی ایچ ایل حاملہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کی ماؤں کی غذائی ضروریات اور تحفظ سے متعلق خصوصی شقوں کا حامل ہے۔ جنگی قیدیوں سے سلوک سے متعلق تیسرا جنیوا کنونشن (1949) یہ شرط عائد کرتا ہے کہ جنگی قیدیوں سے ہمہ وقت شرف انسانی کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ اس عمومی تحفظ سے ہٹ کے آرٹیکل 14' پیرا 2 میں درج اس اصول کی بنیاد پر عورتوں کو خصوصی تحفظ دیا گیا ہے کہ 'عورتوں کے ساتھ ان کی صنف کی وجہ سے تمام تر احترام کا سلوک روا رکھا جائے گا'۔ اضافی پروٹوکول میں عورتیں جو گرفتار' زیر حراست یا فسادات کی بنیاد پر نظر بند ہوں ان کے ساتھ خصوصی سلوک کی شقیں وضع کرتا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں یہ بیان کرتا ہے کہ ''ماسوائے اس کے جب ایک خاندان کے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جگہ رکھا گیا ہو' عورتوں کو مردوں سے الگ کوارٹرز میں رکھا جائے گا اور وہ بلاواسطہ طور پر عورتوں کی نگرانی میں ہوں گی''۔

جنگ کے دنوں میں سویلین افراد کے تحفظ سے متعلق چوتھا جنیوا کنونشن اور اضافی پروٹوکول 1' سویلین مرد و عورتیں، دونوں کو تحفظ مہیا کرتا ہے جو بطور جنگجو لڑائی میں سرگرم شرکت کے حامل نہ ہوں۔ کنونشن شرائط عائد کرتا ہے کہ ''عورتوں کو ان کی عزت پر کسی بھی حملے، خصوصاً عصمت دری، جبری جسم فروشی یا کسی بھی شکل میں ناشائستہ حملے کے خلاف تحفظ دیا جائے گا''۔ وقت کے ساتھ ساتھ عورتوں سے متعلق زبان، حقوق نسواں کی تحریکوں کے احساسات سے مطابقت اختیار کرتی گئی۔ اضافی پروٹوکول 1 کا آرٹیکل 76، اس ارتقاء کا مظہر ہے جو شرط عائد کرتا ہے کہ ''خواتین خصوصی احترام کے لائق ہوں گی اور انہیں خاص طور پر عصمت دری، جبری جسم فروشی یا کسی بھی شکل میں ناشائستہ حملے کے خلاف تحفظ دیا جائے گا''۔

جولائی 1998ء میں انٹرنیشنل کریمنل کورٹ کے دستور روم کو اپنایا گیا اور 2002ء میں اس کا نفاذ کیا گیا۔ دستور روم کا آرٹیکل 7 (جی) شرط عائد کرتا ہے کہ ''انسانیت کے خلاف جرائم' کا مطلب درج ذیل میں سے کوئی بھی فعل ہوگا جس کا ارتکاب کسی سویلین آبادی کے خلاف ہوئے حملے سے باخبر ہوتے ہوئے' وسیع پیمانے پر جاری یا باقاعدہ حملے کے حصے کے طور پر کیا جائے: عصمت دری، جنسی غلامی، جبری جسم فروشی، جبری حمل، جبری بانجھ کرنے یا اسی سنگینی کے حامل جنسی تشدد کی کوئی دوسری شکل۔ یہ مثالیں اس امر کی عکاسی کرتی ہیں کہ آئی ایچ ایل، مسلح تنازعات کے دوران عورتوں کے خلاف ہونے والے جرائم کے متعلق ہے اور تضادات کے فریقوں کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ تاہم بین الاقوامی قانون سے وابستگی کے فقدان اور اس پر کمزور نفاذ بنیادی اصولوں سے متعلق پرزور اصرار کی ضرورت ظاہر کرتا ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے اس کا جواب قرارداد 1325 تھا جس کا مقصد عورتوں اور مسلح تنازعات کے معاملے سے نمٹنا ہے۔

اقوام متحدہ کی قرارداد 1325 کی نمایاں خصوصیات

قرارداد نے درج ذیل اصولوں کو سربلند کیا: (i) بین الاقوامی امن اور سلامتی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی ذمہ داری ہے۔ (ii) سویلینز، زیادہ تر عورتیں اور بچے' لڑائی سے بری طرح متاثر ہونے والوں کی بڑی اکثریت ہیں۔ (iii) عورتیں تضاد کی روک تھام اور تنازعات حل میں مرکزی کردار ادا کر سکتی ہیں۔ (iv) عورتیں قیام امن اور بعد از جنگ تعمیر نو کی کوششوں میں سرکردہ کردار ادا کر سکتی ہیں اور انہیں بہرصورت ان امور میں شامل کیا جائے۔ (v) قیام امن سے متعلق عملے کو عورتوں اور بچوں کے تحفظ اور ان کی خصوصی ضروریات سے متعلق خصوصیت پر مبنی تربیت لینے کی ضرورت ہے۔ (vi) قیام امن کے عمل میں عورتوں کی مکمل شرکت کو یقینی بنانے کیلئے موثر ادارہ جاتی بندوبست کی ضرورت ہے۔ (vii) تضادات کے منفی اثرات سے متعلق اعداد و شمار جمع کرنے اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ (viii) تضادات کی روک تھام اور تنازعہ کے حل کیلئے مقامی' قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر موجودہ تمام ڈھانچوں اور اداروں میں عورتوں کی نمائندگی کی ضرورت ہے۔ (ix) امن معاہدوں کیلئے مذاکرات اور ان کے نفاذ میں شامل تمام کرداروں کیلئے صنفی تناظر اپنانا ہوگا۔ (x) تضاد کے تمام فریقوں کیلئے بین الاقوامی قانون کا احترام لازمی ہے اور سزا سے ہر طرح کا استثنیٰ ختم کیا جائے اور جنگی جرائم اور جنسی تشدد کے ذمہ داروں کے خلاف حسب ضابطہ قانونی کارروائی اور سزا دی جائے گی۔ (xi) تضادات کے دوران اس کے تمام فریقوں کو عورتوں اور لڑکیوں پر صنفی بنیاد پر ہونے والے تشدد سے بچانے کیلئے خصوصی اقدامات کرنا ہوں گے۔ (xii) عورتیں جنگجوؤں اور ان کی زیر کفالت رہنے والوں کی مخصوص ضروریات کو لازماً ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

تضادات اور پاکستانی تناظر

تضادات کے دوران عورتوں کو جن حالات کا سامنا ہوتا ہے ان کا تناظر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا ردعمل بھی حالات کی انفرادیت پر منحصر ہوتا ہے۔ پاکستان میں گزشتہ کئی برسوں سے ملک کے مختلف حصوں میں سنگین مسلح تنازعات دیکھے گئے ہیں۔ مذہبی عسکریت پسندوں نے مالاکنڈ ڈویژن میں عورتوں کو سرعام کوڑے مارے اور لڑکیوں کے 200 کے قریب سکول بم سے اڑا دیئے یا جلا دیئے۔ بیسیوں عورتیں عسکریت پسندوں کی طرف سے کئے گئے خودکش حملوں یا بازاروں میں گھات لگا کے فائرنگ' اور سی آئی اے کے ہاتھوں مسلسل ڈرون حملوں کے ذریعے قتل کی گئیں۔

فوج کی جانب سے سوات سے عسکریت پسندوں کا صفایا کرنے کیلئے کئے گئے آپریشن 'راہ راست' کے دوران، ہزاروں عورتیں گھروں سے بے دخلی سے دوچار ہوئیں۔ بلوچستان میں صوبے میں عسکرانہ رنگ اور چھاؤنیوں کی تعمیر کے بعد سے ہزاروں افراد 'لاپتہ' ہوگئے اور عورتوں کو اپنے رشتہ داروں جو بظاہر روئے زمین سے غائب ہوگئے کی تلاش کیلئے جابجا کی خاک چھاننے پر مجبور ہونا پڑا۔ لڑکیوں کے سکولوں کو بموں سے اڑا دینے کے نتیجے میں ہزاروں لڑکیاں حصول تعلیم کے حق سے محروم ہوگئیں جبکہ آئی ڈی پیز کے کیمپوں میں سیکیورٹی کی وجہ سے عورتوں کی نقل و حرکت بری طرح محدود ہو کر رہ گئی۔ کیمپوں میں حریف نسلی گروپوں کے مردوں کے سامنے آنے کے امکان کی وجہ سے خاندان کے مردوں نے پردے اور پاک دامنی کے نام پر ان خواتین پر اضافی بندشیں لگا دیں۔

عورتوں کیلئے سماجی تحفظ کے نیٹ ورکس چند ہی ہیں اور رجسٹریشن اور شناختی کارڈوں کی رجسٹریشن کے فقدان کے نتیجے میں بیوہ خواتین ان سماجی خدمات تک رسائی حاصل نہ کر سکیں جو بین الاقوامی اور قومی امدادی ایجنسیوں کی جانب سے بہم پہنچائی جا رہی تھیں۔

کیمپوں میں جنسی طور پر ہراساں کیا جانا اور نقل و حرکت سنگین مسائل رہے۔ آئی ڈی پی کیمپوں میں خواتین کو درپیش مسائل میں سے ایک یہ بھی تھا کہ سیکورٹی فورسز کی جانب سے گرفتار کئے جانے والے مردوں کے رشتہ داروں کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا اور ریاست کی سماجی خدمات کیلئے کم حقدار خیال کیا جاتا۔

جہاں بین الاقوامی قانونی ڈھانچہ جامع اور مفید ہے وہاں اس کا نفاذ ریاستوں تک محدود ہے جو جنگ میں الجھی ہوں۔ تاہم اب جبکہ تضادات کی زیادہ تر صورتیں اندرون ریاستی ہیں، یہ فہم سے بالاتر ہے کہ طالبان اس پر عمل کیلئے کیونکر آمادہ ہوں گے، ان حالات میں جب وہ کسی بین الاقوامی قانون' قاعدہ' اقدار یا کنونشن کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ ریاستی جنگجو، بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتے اور سزا سے بچ رہتے ہیں جیسا کہ عراق اور افغانستان سے عیاں ہوتا ہے۔ خواہشات کی فہرست ایک بات ہے ان کا پورا ہونا دوسری، مگر کہا جاتا ہے کہ امید ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

(مصنف سماجی ترقی پر تحقیق کی ماہر ہیں)

قرارداد 1325 پر عمل کیلئے ضروری اقدامات

چند اقدامات جو لڑائی کے حالات میں خواتین کے مسائل سے نمٹنے کیلئے ریاست پاکستان کر سکتی ہے درج ذیل ہیں: 1) ملک کے تمام حصوں میں مذہبی عسکریت پسندی کی بیخ کنی۔ 2) تعلیمی نصاب میں تبدیلیوں کے ذریعے متحمل' روشن خیال' معتدل اور صنفی انصاف پر مبنی اقدار کو یقینی بنانا۔ 3) یہ یقینی بنانا کہ لڑائی سے متاثرہ خواتین کیلئے کافی پناہ گاہیں، خوراک تک رسائی، نقل و حرکت، صحت کی سہولتیں، مشاورت اور تحفظ کی بہم رسانی موجود ہے۔ 4) بے گھر ہونے والی خواتین کیلئے خصوصی فنڈ کا قیام اور روزگار کے مواقع پیدا کرنا تاکہ وہ جسم فروشی یا بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہوں۔ 5) پولیس' عدلیہ اور سیکورٹی ایجنسیوں کو خواتین سے متعلق مسائل کی آگاہی دینا اور انہیں 'لاپتہ' رشتہ داروں کو تلاش کرنے کا اہل بنانا۔ 6) لڑائی سے متاثرہ خواتین کیلئے اطلاعاتی سہولت قائم کرنا۔ 7) کسی بھی امن مذاکرات میں خواتین قانون سازوں' وزراء اور حقوق نسواں کیلئے سرگرم کارکنوں اور اداروں کی شرکت یقینی بنانا۔ 8) لڑائی کے دوران جنسی تشدد کی کسی اور شکل کا نشانہ بننے والی خواتین کیلئے عدالتی خدمات یقینی بنانا۔ 9) سرکاری ٹی وی چینل' پوسٹروں اور مقامی زبانوں میں وسیع رسائی کے حامل ذرائع ابلاغ کے ذریعے قومی آگاہی مہم چلانا۔ 10) سیکورٹی فورسز کو قرارداد 1325 اور 1820 (جو خاص طور پر تضادات کے دوران جنسی تشدد کا ذکر کرتی ہے) سے متعلق تربیت اور معلوماتی مدد کی فراہمی۔

عورتیں۔ کھیلوں میں بھی سُرخرو

خواتین کرکٹ ٹیم

تحریر: عمران نعیم احمد

گذشتہ ماہ گوانگ ژاؤ، چین میں میں ہونے والے ایشیائی کھیلوں میں پاکستان کی خواتین کرکٹ ٹیم کی شاندار کامیابی مسائل سے جکڑی قوم کیلئے تازہ ہوا کے جھونکے سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔ان کھلاڑی عورتوں نے سونے کا تمغہ جیت کر یہ حقیقت ثابت کردی کہ اگران کے مرد ہمعصر کھلاڑی اچھی کارکردگی دکھا سکتے ہیں تو خواتین بھی ان سے پیچھے نہیں۔

فائنل میں بنگلہ دیش کوشکست دے کر حاصل کی گئی یہ شاندار کامیابی پاکستان میں عورتوں کے کھیلوں کیلئے اکسیر ثابت ہوئی جنھیں سرکاری طور پر توجہ نہیں مل سکی جس کی درحقیقت ضرورت تھی۔

اس حوالے سے دیکھا جائے تو پاکستان کی قومی ٹیم کی ایشیائی کھیلوں میں یہ کامیابی کہیں زیادہ لائق تحسین ہے اوراس کی بدولت دنیا کو یہ باور کرایا جاسکا ہے کہ پاکستان ایسا قدامت پرست ملک نہیں جیسا کہ بین الاقوامی میڈیا میں دکھایا جاتا ہے۔یقینی طور پر اس کیلئے ہمیں کرکٹ کی ان باصلاحیت کھلاڑیوں کا شکر گذار ہونا چاہئے جن میں سے ہر ایک نے اس کامیابی میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

ایشیائی کھیلوں میں خواتین کرکٹ ٹیم کی اس کامیابی سے قبل ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے جنوب ایشیائی کھیلوں میں دو پاکستانی کھلاڑی عورتیں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر چکی ہیں۔ان کھلاڑیوں میں نسیم حمید نے جنوبی ایشیا کی تیز رفتار ترین عورت ہونے کا اعزاز حاصل کیا جبکہ سارا ناصر نے کراٹے میں سونے کا تمغہ جیتا۔دونوں نے خودکش حملوں کے نتیجے میں پژمردہ قوم کوخوشی سے سرشار کیا۔

یہ بات جہاں خوش آئند ہے کہ عورتیں آہستہ آہستہ کھیلوں میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی ہیں وہیں یہ امر حیرت انگیز بھی ہے کہ بہت کم اور بسا اوقات کوئی بین الاقوامی تجربہ یکسر نہ ہونے کے باوجود وہ یہ کامیابیاں حاصل کررہی ہیں۔یہ وہ پہلو ہے جوان کی کامیابی کوزیادہ خوش کن بنادیتا ہے۔

تجربے کی کمی سے قطع نظر، ایسی باصلاحیت عورتیں اپنی پر عزم کاوشوں اوراپنے والدین کی مسلسل حوصلہ افزائی کے نتیجے میں اوپر آئی ہیں اور وہ کھیلوں کے کسی منظّم ڈھانچے کی پیداوار نہیں ہیں۔اس نوعیت کے ڈھانچے کونشوونما پانے کی اجازت نہیں دی گئی جس کیلئے پہلی کاوش 1996 میں ملک میں عورتوں کے کھیلوں کے بڑے ایونٹ کا انعقاد کراتے ہوئے کی گئی تھی۔

یہ بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کا دور تھا جب 1996 میں اسلام آباد میں اسلامک ویمنز گیمز کا انعقاد کرا کے کھیلوں کو اہمیت اورانہیں درکار فروغ کیلئے پہلی سنجیدہ کوشش کی گئی۔

ان کھیلوں کے انعقاد کے روح رواں ذاکر حسین سید کے مطابق اس اقدام کا بنیادی مقصد پاکستان میں عورتوں کے کھیلوں سے جڑے فرسودہ تصورات کا خاتمہ تھا۔اس بڑی سرگرمی سے قبل ویمنز سپورٹس بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا اور 1996 میں عورتوں کی اسلامی کھیلوں کا انعقاد کامیابی سے کیا گیا۔

بلاشبہ ملک کیلئے یہ ایک بڑا دن تھا اوراس سے کہیں زیادہ عورتوں کیلئے جو اس بات پر بے پناہ خوش تھیں کہ اب انہیں وہ اہمیت دی جارہی ہے جس کی وہ مستحق تھیں۔ہر کوئی 1997 میں ایسی ہی بڑی سرگرمی کا گہری دلچسپی کے ساتھ منتظر تھا اور یہ پاکستان میں عورتوں کی کھیلوں کی تاریخ کا اہم موڑ ثابت ہوسکتا تھا۔

سارہ ناصر

بدقسمتی سے جیسا کہ پاکستان میں ہوتا آیا ہے،نواز شریف کی حکومت نے اقتدار میں آتے ہی اچانک ان کھیلوں کومنسوخ کر دیا۔یہ منسوخی اس لئے کی گئی کہ ان کھیلوں کا انعقاد پیپلز پارٹی نے شروع کیا تھا اوران کے ساتھ اس کا نام وابستہ ہوگیا تھا۔

یہ ایک بڑا دھچکا تھا تاہم عورتوں کی کھیلوں میں دلچسپی ختم نہ ہو سکی اور 1997 میں تہران میں ہونے والے اسلامک ویمنز گیمز میں پاکستانی کھلاڑیوں نے 26 تمغے حاصل کئے جن میں 3 سونے کے تمغے شامل تھے۔یہی نہیں، بعد میں سال 2001 اور 2005 میں منعقد ہونے والے ان کھیلوں میں پاکستانی لڑکیوں نے مجموعی طور پر 81 تمغے جیتے جن میں سے 11 سونے کے تمغے تھے۔

جنوب ایشیائی کھیلوں (سیف گیمز) کی سطح پر شبانہ اختر نے 1995 میں مدراس (موجودہ چنائی) میں منعقدہ ان کھیلوں میں لانگ جمپ میں سونے کا تمغہ جیتا جبکہ 4 سال بعد کٹھمنڈو میں ہونے والے مقابلوں میں ریحانہ کوثر نے ہائی جمپ میں سونے کا تمغہ حاصل کیا۔پاکستان کی کھیلوں کی تاریخ میں ان کامیابیوں کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے اور یہ فتحیاب کھلاڑی ہیرو قرار پائیں۔

روائتی اعتبار سے جہاں کھلاڑی عورتوں کو وہ گنجائش اور محفوظ پلیٹ فارم کبھی میسر نہیں آسکا جس کی ضرورت تھی تاہم کھیلوں سے ان کی گہری دلچسپی نے عورتوں کے کھیلوں سے متعلق تصورات بدلنے میں اہم کردار ادا کیا۔مذہبی پیشواؤں کا یہ دعویٰ اب قصۂ پارینہ ہو چکا کہ عورتوں کا کھیلوں میں حصہ لینا غیر اسلامی ہے۔

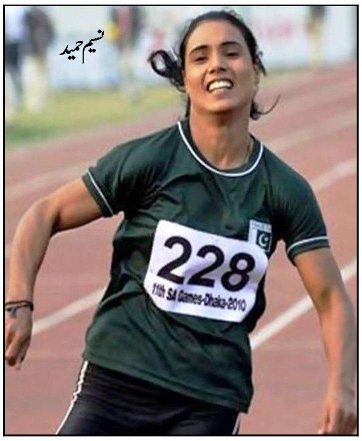

نسیم حمید

آج زیادہ سے زیادہ عورتیں کھیلوں میں حصہ لے رہی ہیں اور وہ باہر نکلنے اور کھیلنے سے خوفزدہ نہیں لگتیں۔پاکستان سپورٹس کمپلیکس کے سوئمنگ پول پر عورتوں کی عورتیں بڑی تعداد میں موجودگی کھیلوں میں ان کی دلچسپی کی ایک مثال ہے۔

اسلام آباد میں 1996 میں اسلامک انوی ٹیشن گیمز کے انعقاد سے قبل عورتوں کی دو میراتھن منعقد کی گئیں جن میں سینکڑوں عورتوں نے شرکت کی۔ان میراتھن میں پنجاب کے دور دراز کے دیہاتوں سے بھی لڑکیاں شرکت کیلئے آئیں اور خود ان کے منتظمین بھی شرکاء کی اتنی بڑی تعداد دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

آزادی کے وقت پاکستان نے کھیلوں سے متعلق ایک خوشگوار روایت ورثے میں حاصل کی۔کھیل نصاب کا لازمی جزو تھے اور عورتوں کو سرگرمیوں میں شریک ہونے کی پوری آزادی حاصل تھی۔وقت گزرنے کے ساتھ سکولوں اور کالجوں میں جگہ کم ہونے لگی۔کمرہ ہائے جماعت اور کالجوں کے نئے بلاک کھیلوں کے میدانوں کی جگہ لینے لگے اور عورتوں کی کھیلوں میں شمولیت کم ہونے لگی۔

ملک میں کھیلوں سے متعلقہ حکام نے کئی قیمتی سال ضائع کر دیئے جن کا خیال تھا کہ عورتوں کا کھیلوں میں حصہ لینا اتنا اہم نہیں۔60،70 اور 80 کی دہائیوں میں کھلاڑی عورتیں بڑی حد تک نظر انداز رہیں۔خوش قسمتی سے 90 کی دہائی میں جب انٹرنیشنل اولمپک ایسوسی ایشن (آئی او سی) نے پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن (پی او اے) پر دباؤ میں اضافہ شروع کیا کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر مقابلوں میں عورتوں کی شرکت یقینی بنائی جائے تب پاکستانی منتظمین گہری نیند سے جاگنے پر مجبور ہوئے۔

اس وقت سے اب تک بہت کچھ بدل چکا ہے اور ٹیلی ویژن اور پرنٹ میڈیا کی بدولت اب عورتوں کی کھیلوں میں شرکت سے متعلق زیادہ وسعت قلبی دیکھی جاسکتی ہے۔آج نسیم اور سارا جب ٹیلی ویژن سکرین پر اپنے تمغے لہراتی دکھائی دیتی ہیں تو لڑکیاں ان کی جانب پر امیدی سے دیکھتی ہیں اور جب کرکٹ کی خوش و خرم کھلاڑی عورتوں کی تصاویر اخبارات کی زینت بنتی ہیں تو نوجوان لڑکیاں اپنے کمروں کی دیواروں کو ان تصاویر سے آراستہ کرتی ہیں۔یہ امید افزا پہلو ہے۔یہ وہ کامیابیاں ہیں جو عورتوں کے کھیلوں سے متعلق ہمارے رویئے بدلنے میں مددگار ہوسکتا ہے۔

اس کے باوجود بہت سے چیلنج باقی ہیں۔عورتوں کو اب بھی محفوظ اور علیحدہ پلیٹ فارم کی ضرورت ہے جہاں وہ اطمینان سے کھیلوں کی تیاری اور مقابلوں میں حصہ لے سکیں۔ترقیاتی منصوبے تیار کرتے وقت عورتوں کی ضروریات اکثر نظر انداز کردی جاتی ہیں۔دارالحکومت کے ترقیاتی ادارے (سی ڈی اے) کی طرف سے سیکٹر ایف سکس میں قائم کیا گیا سپورٹس سینٹر اس کی مثال ہے جہاں عورتوں کیلئے کپڑے بدلنے کا کمرہ تک دستیاب نہیں۔اسی طرح پریکٹس اور کھیلنے کیلئے انہیں علیحدہ وقت بھی مختص نہیں کیا گیا۔سماجی بندشوں کی نوعیت اس طرح کی ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ مخلوط طور نہیں کھیل سکتیں۔لہذا قرین انصاف یہی ہوگا کہ انہیں الگ وقت اور سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

علاوہ ازیں مزید عورتوں کو کھیلوں کی جانب راغب کرنے کیلئے انہیں اسی درجے کی ترغیبات دیئے جانے کی ضرورت ہے جو مرد کھلاڑیوں کو دی جاتی ہیں۔مزید برآں حکومت کو میڈل جیتنے والے تمام کھلاڑیوں میں نقد انعامات بلا تاخیر تقسیم کرنے چاہئیں جن کا اعلان عام طور پر فوراً کر دیا جاتا ہے مگر ادائیگی میں طویل

بقیہ صفحہ5 پر

عاصمہ نے تاریخ رقم کردی

(بقیہ صفحہ 1سے)

جنگ میں انتہائی بہادری سے وقف کی ہے۔وکلاء کی تحریک ہو یا حکومت اور عدلیہ کے مابین کشمکش انہوں نے اپنا اصولی موقف قائم رکھا۔ عاصمہ جہانگیر صف اول کی ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے 1983 میں پاکستان میں پہلی آل وویمن لاء فرم(AGHS) کی بنیاد رکھی۔ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے انتخاب میں حصہ لینے سے پہلے انہوں نے کئی سال تک پاکستان کی کمیشن برائے انسانی حقوق چیر پرسن کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔

پاکستان میں بالخصوص ایک خاتون کیلئے انتخاب میں حصہ لینا کوئی آسان کام نہیں جہاں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اچھی خواتین گھروں کے اندر رہتی ہیں اور ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کیا جائے اسے وہ من وعن تسلیم کرتی ہیں۔ ایسے معاشرے کیلئے یہ ایک انتہائی دشوار تھا کہ وہ ایک خاتون کو حقوق کی بات کرتے ہوئے اور معاشرے کی خود ساختہ رسوم وروایات کو چیلنج کرتے ہوئے دیکھیں۔ حالیہ دنوں میں خواتین وکلاء کے بارے میں عدالتوں کے عمومی ماحول اور تعصّبانہ سماجی رویوں میں تھوڑی سی تبدیلی دیکھنے کو نظر آئی ہے جو بلاشبہ چند بہادر خواتین وکلاء رہنماء جیسے عاصمہ جہانگیر، ناہیدہ محبوب الہٰی، شہلا ضیاء، حنا جیلانی جیسی دوسری بہت ساری قائدین کی جدوجہد کی بدولت دیکھنے کو ملتی ہیں مثلاً ان راہنماؤں نے اس شعبے سے وابستہ خواتین وکلاء کی آزادی اور اس کیساتھ مساوات کو یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

تاہم ابھی تک خواتین کے لئے اس شعبے سے تمام رکاوٹیں دور نہیں ہوئیں۔خواتین وکلاء آج بھی عورت مخالف اور صنفی تفریق کے خلاف جنگ لڑ رہی ہیں۔آج بھی خواتین وکلاء کو مرکزی نشتوں پر انتخاب لڑنے کیلئے حمایت حاصل نہیں ہو پاتی اور نہ ہی ان کا حوصلہ بڑھایا جاتا ہے۔ بلکہ ابھی تک یہ عام اہمیت کی حامل جوائنٹ سیکرٹری یا ممبر ایگزیکٹو کونسل وغیرہ کی نشتوں تک محدود ہیں۔

پاکستان کے اعداد وشمار کے مطابق قانون کے شعبے سے وابستہ مختلف اداروں میں عورتوں کی تعداد مقابلتاً کم ہے اور صوبائی بار کونسلوں میں تو یہ مقدار انتہائی کم ہے۔

صوبہ پنجاب کے 75 اراکین میں سے صرف 2 خواتین رکن ہیں، اسی طرح صوبہ سندھ کی بار کونسل کے 37 ممبرز میں سے صرف ایک خاتون رکن ہیں۔ اعلیٰ عدالتوں میں اسی طرح خواتین ججوں کی غیر موجودگی انتہائی واضح ہے۔ ماسوائے سندھ ہائی کورٹ کے جہاں پر 2 خواتین جج کے عہدے پر فائز ہیں، اس کے علاوہ کسی بھی ہائیکورٹ، حتیٰ کہ سپریم کورٹ میں بھی کوئی خاتون بطور جج فائز بلکہ تمام عہدوں پر مرد جج فائز ہیں۔

خواتین وکلاء کو انتخابات سے دور رکھنے کیلئے ان کی اخلاقی کردار کشی کی جاتی ہے۔ عاصمہ جہانگیر کو بھی خواتین مخالف وکلا کی طرف سے کچھ اسی طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ عاصمہ جہانگیر کی جیت نے نہ صرف روائتی صنفی تعصب کو جھنجھوڑا ہے بلکہ ہمارے پڑھے لکھے سماج کی بوسیدہ پدرسری سوچ میں بھی مثبت تبدیلی کا عندیہ ہے۔ حکومت اور لیگل کیمونٹی کو چاہیئے کہ وہ ترجیحی بنیادوں پر ایسے بھرپور اقدامات کریں کہ خواتین وکلاء کیلئے ماحول سازگار بن سکے۔

(مصنف، عورت فاونڈیشن کے لیجسلیٹو واچ پروگرام فار ویمنز امپاورمنٹ کی نیشنل کوآرڈینیٹر ہیں)

سول سوسائٹی نے وفاقی شرعی عدالت اور متوازی عدالتی نظام کے خاتمے کا مطالبہ کردیا

22 دسمبر 2010ء کو وفاقی شرعی عدالت کے ایک تین رکنی بنچ نے جو کہ چیف جسٹس آغا رفیق احمد خان، جسٹس افضل حیدر اور جسٹس شہزاد شیخ پر مشتمل تھا، اپنے فیصلے میں شقیں ویمن پروٹیکشن ایکٹ 2006ء کی شقوں 11،25،28 اور 29 کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے انہیں منسوخ کردیا کہ یہ شقیں حدود آرڈیننس 1979ء کو غیر موثر بتاتی ہیں اور آئین کے آرٹیکل 203 ڈی ڈی کی نفی ہیں۔ عدالت نے مزید واضح کیا کہ آئین کے آرٹیکل 203 ڈی ڈی کے تحت حدود کے معاملات بارے وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ کار مستند ہے اور حدود کے نفاذ بارے کسی بھی عدالت کے کسی بھی قانون کے تحت احکامات یا فیصلوں پر نافذ ہوتے ہیں۔ اور کسی بھی دوسری عدالت کو ایسے مقدمات کی اپیل کی سماعت اس پر نظرثانی یا اس حوالے سے ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ آئین کے حصہ VII، باب 13 میں ترمیم کے تحت قانون سازی کا کوئی بھی ادارہ ہوا سے اس دائرہ کار کو کنٹرول کرنے، اسے باضابطہ بنانے یا اس میں ترمیم کا اختیار نہیں ہے۔

اسلم گھمن، شاہد اورکزئی، عبداللطیف صوفی اور میاں عبدالرزاق عامر نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک جیسی پٹیشنز جمع کرائی تھیں جس میں وویمن پروٹیکشن ایکٹ 2006ء اور پاکستان پینل کوڈ کی کچھ شقوں کو چیلنج کیا گیا تھا۔

اس بنچ نے حکومت کو ہدایت کی کہ وہ ایسے اعتراضی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنائیں ورنہ 22 جنوری 2010 سے یہ شقیں منسوخ ہوجائیں گی اور یہ فیصلہ اسی دن نافذ العمل ہوگا، مگر اس فیصلہ کے خلاف سول سائٹی تنظیموں نے اپیل دائر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی، ملک بھر سے خواتین کے حقوق اور انسانی حقوق کی تنظیموں، انسان دوست حلقوں اور قانون ماہرین، سیاستدانوں اور خواتین رکن پارلیمنٹ نے مذمت کی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ عورتوں کی خود مختاری کی تحریک پر ایک تازہ حملہ ہے۔ اس حوالے سے ملک کے تمام بڑے شہروں میں پریس کانفرنسیں اور احتجاجی مظاہرے منعقد کئے جارہے ہیں۔

انسانی حقوق اتحاد نے (جو سول سوسائٹی تنظیموں، این جی اوز اور انسان دوست تنظیموں اور کارکنوں کا ایک اتحاد ہے) اس فیصلے کی مذمت کرنے اور اس پر اپنا موقف بیان کرنے کیلئے اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس اور احتجاجی مظاہرے کا اہتمام کیا۔ انسانی حقوق اتحاد کا موقف درج ذیل میں درج ہے۔

’’ہم انسانی حقوق اتحاد کے اراکین، سول سوسائٹی اور انسان، دوست تنظیمیں وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کی بھرپور مذمت کرتے ہیں جس میں سے اس نے وویمن پروٹیکشن ایکٹ 2006ء کی شقوں 11، 25، 28 اور 29 کو حدود آرڈیننس میں واپس شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کا انتہائی خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے اپنا دائرہ کار بڑھانے کی کوشش میں ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے آئینی دائرہ کار کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کے حالیہ فیصلے کیخلاف انسان دوست تنظیموں کے مظاہرے کا ایک منظر۔اس مظاہرے کا اہتمام انسانی حقوق اتحاد نے 5 جنوری 2011 کو پارلیمنٹ کے سامنے پریڈ چوک میں کیا۔ مظاہرے میں شامل انسانی حقوق اتحاد کی ممبر تنظیموں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ وفاقی شرعی عدالت اور ملک کے دوسرے متوازی قانونی نظاموں کو فی الفور ختم کرے۔

یہاں ہم یہ بھی کہنا چائیں گے کہ انسان دوست تنظیموں اور اتحادوں نے حدود آرڈیننس کی منسوخی کیلئے 27 سال بھرپور حدوجہد کی ہے۔ تفصیلی تحقیقات اور شواہد اکھٹے کئے گئے ہیں کہ حدود آرڈیننس عورتوں کیخلاف ہے اور جس کا انتہائی غلط استعمال زنا آرڈیننس ہے۔

ہزاروں عورتوں نے زنا آرڈیننس کیوجہ سے جیلیں کاٹی ہیں جبکہ اس قانون کی بظاہر خلاف ورزی کرنے والی 90 فیصد قانونی چارہ جوئی کے بعد باعزت بری ہوگئیں۔

حدود آرڈیننس کی منسوخی بارے عورتوں کے مسلسل مطالبے کے جواب میں 2006 کی پارلیمنٹ نے عورتوں کے حقوق کی خلاف ورزی کو ایک قانون کے تحت ٹھیک کرنے کیلئے ویمن پروٹیکشن ایکٹ 2006 متعارف کرایا۔

نیشنل کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن کی ایک حالیہ تحقیق کے مطابق ویمن پروٹیکشن ایکٹ سے عورتوں کی زندگی میں ایک بھرپور تبدیلی آئی ہے اور اس وقت کوئی بھی خاتون حدود آرڈیننس کی وجہ سے جیل میں نہیں ہے۔

یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے ویمن پروٹیکشن سے حاصل ہونے والے فوائد کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی اور وفاقی شرعی عدالت کا متوازی عدالتی نظام اور اپیلٹ شریعت کورٹ کا قیام ایک فوجی آمر ضیاءالحق کے اس منصوبے کا حصہ تھا جس میں اس نے اسلام کے نام پر اپنے آمرانہ اقتدار کو قابل قبول بنایا۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہر قسم کے متوازی عدالتی نظام کے خاتمے بارے سول سوسائٹی تنظیمیں اور عورتوں کی تحریک کے مسلسل مطالبے کے باوجود موجود سول حکومت اس بارے کوئی بھرپور قدم اٹھانے میں ناکام نظر آئی ہے۔

ہم بھرپور مطالبہ کرتے ہیں کہ تمام شہریوں کو ایک قانون اور ایک عدالتی نظام کے تحت مساوی حقوق دیئے جائیں۔ وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے عورتوں کیخلاف فیصلے دینے اور عورتوں اور اقلیتوں کے تحفظ بارے قانون سازی کو روکنے کی درج تاریخ کو دیکھتے ہوئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت فوری طور پر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ آف پاکستان میں چیلنج کرے اور وفاقی شرعی عدالت اور دوسرے متوازی عدالتی نظام ختم کرے۔

ہم یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ کی آئینی اصلاحاتی کمیٹی اور سپریم کورٹ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی پیچیدہ آئینی رکاوٹوں کا جائزہ لے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ پارلیمنٹ فوری طور پر قانون سازی کرتے ہوئے نہ صرف عورتوں اور اقلیتوں کیخلاف تمام امتیازی قوانین ختم کرے(جیسا کہ ناموس رسالت قانون حدود آرڈیننس، قصاص ودیت اور پاکستان پینل کوڈ کے سیکشن 298 کی تمام شقیں جو مذہبی اقلیتوں کو نشانہ بناتی ہیں) بلکہ متوازی عدالتی نظام ہی ختم کرے۔

سول سوسائٹی یہ بات واضح کرنا چاہتی ہے کہ وہ ویمن پروٹیکشن ایکٹ کے فوائد ختم کرنے کی تمام کوششوں کو ہر ممکن طور پر روکیں گے۔

ہم آج سے متوازی عدالتی نظام کے خاتمے کیلئے ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم ملک کی تمام جمہوری اور ترقی پسند قوتوں کو ملک کے شہریوں کے حقوق کے تحفظ اور قائداعظم کے اُس تصور کو یقینی بنانے کیلئے عوامی تحریک میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں، جس کے مطابق ریاست اپنے معاملات کو چلانے کیلئے مذہب کو استعمال نہیں کرے گی۔‘‘

—— عورت فاؤنڈیشن رپورٹ

ہماری اصلیت کا امتحان

بقیہ صفحہ 1سے

اس کے وفاقی وزراء بجائے ایک واضح اور مضبوط انداز اپنانے کے مذہبی جماعتوں کورام کرنے کیلئے متضاد اور خودشکستگی کے بیانات دیتے نظر آتے ہیں۔

لیکن ایک طرف کی سیاسی مصلحت کا ہرگز مطلب نہیں کہ مذہبی جماعتیں کسی بہتری کے موڈ میں ہیں بلکہ وہ خودکو مسلت کرنے کی طرف مائل ہیں۔کوئی حیرانگی کی بات نہیں کہ لبرل اور پڑھے لکھے پاکستانی ملک کے مستقبل بارے انتہائی مایوس اورخوفزدہ نظر آتے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جمہوری اور متوازن نظریات کی اس معاشرے میں جگہ کم ہورہی ہے۔بہت سارے ترقی پسند اور متمول پاکستانیوں کیلئے آج کا بھونڈا مذاق جوکہ ہیبت ناک خطرے کی دھمکی دے رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ انہوں نے اپنی حفاظت پر مامور گارڈز کی مذہبی وفاداریوں اورتربیت کی جانچ پڑتال کی ہے یانہیں۔

جی ہاں آج کا پاکستان نہ صرف منقسم ہے بلکہ وہ حالت جنگ میں نظرآتا ہے۔حالات خطرے کی گھنٹی بجارہے ہیں۔جب قانون توڑنے والوں اورقاتلوں کو ہیرو بنا کرپیش کیا جارہا ہواور ریاستی اداروں نے اس حوالے سے چپ سادھ لی ہوتو یہ معاشرے کیلئے انتہائی خطرناک ہے۔کوئی بھی بڑامقصد قانون اپنے ہاتھ میں لینے کو جائزنہیں سمجھتا معاشرے کا اجتماعی شعوراس کی اجازت نہ دے تو یہ صرف اور صرف تباہی،کشیدگی،غیریقنی صورتحال اورقانون کی عدم موجودگی کا راستہ ہے جس کے نتیجے میں ریاست کمزور ہوکرختم ہوجاتی ہے۔

تاثیر کے قتل پرحکومت کا کمزور ردعمل جمہوریت کی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے،جوصرف روزمرہ معاملات پر مرکوز ہے۔مذہبی جماعتیں اب خون کی بو واضع ہے اورانکے درمیان موجود شدت پسند اپنی حدود بڑھاسکتے ہیں۔

مذہبی جنون رکھنے والے شدت پسندوں نے اب یہ سمجھنا شروع کردیا ہے کہ ان کی تحریک زور پکڑسکتی ہے کیونکہ حکومت،ریاست اورسول سوسائٹی انتہائی کمزور ہے۔ایسی صورتحال میں وہ نقصان دہ مہم جوئی کا راستہ اختیار کرسکتے ہیں۔ اگرچہ تاثیر کے بعد پاکستان کوشش کررہا ہے کہ حالات نارمل ہوجائیں،لیکن بین الاقوامی برادری اسلامی ایٹمی طاقت کے بارے میں خوفزدہ ہے۔

اگرچہ ہمیں پسند ہو یانہیں،پھربھی ایک ناکام اورگرتی ہوئی ریاست زیادہ سے زیادہ کرنسی حاصل کرنا چاہے گی۔ہماری طرف سے کسی بہتری کی خبراُن کے ادراک میں تبدیلی کیلئے کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔

پاکستان نہ رکنے والے دہشت گردی اورشدت پسندی کی وجہ سے ایک ناکام ریاست بننے کے دہانے پرپہنچ چکا ہے۔بین الاقوامی کھیل اورسیروسیاحت کیلئے یہ ملک ایک نوگوایریابن چکا ہے۔غیرملکی کاروباری طبقے اورسرمایہ کاراس ملک میں سرمایہ کاری کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔حتیٰ کہ ملکی سرمایہ کاربھی حفاظتی خطرات کی وجہ سے باہر کےملکوں میں سرمایہ کاری کررہے ہیں۔

ضروری اصلاحات جاری کرنے،شفاف حکمرانی مہیا کرنے،شدت پسندی اورعسکریت پسندی کیخلاف جنگ کرنے کی نااہلی دراصل پاکستان میں سماجی کشمکش اورمعاشی تعطل کی راہ ہموار کررہی ہیں۔وقت کا تقاضا ہے کہ نظریاتی تقسیم کے قائدین اس ماحول کوبہتر بنانے کیلئے مستحکم کوشیش کریں۔حکومت کوایسا کرنے کیلئے بہت ہی متحرک کردارادا کرنا ہوگا اورایک مناسب پلیٹ فارم پرکھلے مذاکرات کیلئے راہ ہموار کرنا ہوگی ایسے حساس معاملات پرگلی محلے میں یاٹی وی کے پروگراموں میں جذباتی بحث کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ صرف اورصرف جلتی پرتیل کا کام ہی کرسکتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم قانون کی حکمرانی یاریاستی اختیارات پر ہرکوئی سمجھوتہ کرلیں۔گورنرتاثیر کے قتل کیس میں انصاف کی فراہمی کے ذریعے ہم اس بات کویقینی بناسکتے ہیں۔

ہمارے پاس ایسے بہت سے علماء کرام ہیں جومختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اوروہ آئین اورقانون کی حکمرانی کیساتھ ہیں۔

پاکستانی علماء کیساتھ ملک کی دوسری مذہبی اقلیتوں کے تحفظات حل کرنے کیلئے بھی کام کیا جانا چاہے وہ ناموس رسالت قانون کیقانونی عملی مسائل ہی کیوں نہ ہوں۔اس قانون کا مقصد یہ قطعاً نہیں کہ مظلوم لوگوں کونشانہ بنایا جائے یاکسی کو جھوٹے الزام میں پھنسایاجائے۔جی ہاں یہ وقت ہے قانون کی حکمرانی قائم کرنے کا اس سے کم کچھ نہیں۔

(مصنف روزنامہ دی نیوز کیساتھ منسلک ہے اور یہ مضمون 14 جنوری 2011 کوشائع ہواتھا) (بشکریہ دی نیوز)

عورتیں۔کھیلوں میں بھی سُرخرو

بقیہ صفحہ 3سے

عرصہ صرف ہو جاتا ہے۔میڈل جیتنے والی عورتوں کے ساتھ بھی یکساں سلوک ہونا چاہئے۔سارا ناصر کے معاملے میں یہ یکساں سلوک دیکھنے میں نہیں آیا کیونکہ میڈیا نے نسیم حمید کی کامیابی پر بھرپور توجہ دی مگر سارا ناصر کوفراموش کردیا گیا جس کی واحدخطا شائد یہ لگتی ہے کہ اس نے ایسے ایونٹ میں تمغہ جیتا جسے کم رنگارنگی کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

اس کے بعد پاکستان میں کھیلوں کے حوالے سے طرۂ امتیاز بن جانے والی سیاست ہے جس کی وجہ سے سارا ناصر کو وہ فلیٹ الاٹ نہیں ہوسکا جس کا اعلان وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ان کیلئے کیا تھا۔اسی طرح کھیلوں کے وزیر نے حال ہی میں نسیم حمید کو پانچ لاکھ روپے کا چیک پیش کیا مگرنا معلوم وجوہات کی بنیاد پر سارا کونظرانداز کردیا گیا۔یہ سلوک محض کھلاڑیوں کی حوصلہ شکنی کا ہی باعث بنے گا۔

ملک میں عورتوں کیلئے کھیلوں کی سہولتیں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ ہرکوئی اشرافیہ کے کسی کلب کا رکن نہیں بن سکتا لہذا یہ ضروری ہے کہ خصوصی ڈھانچے کی تیاری پرتوجہ مرکوز کی جائے۔تاہم جب تک یہ ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اس وقت تک جو بھی سہولتیں دستیاب ہیں انہیں عورتوں کی تربیت کیلئے کو جزاور الگ متعین وقت کے ساتھ انہیں سہولت دینے کیلئے استعمال کیا جائے۔

اسی طرح،کھیلوں کا ایک منظّم نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے اگر پاکستان مستقبل میں اپنی کھلاڑی عورتوں کے ذریعے میڈل جیتنے کا خواہاں ہے۔اس وقت تک ہم کھلاڑی عورتوں کی اس سال کی کامیابیوں پر اظہار مسرت کرسکتے ہیں۔

ھُرے ! (مصنف سپورٹس صحافی ہیں)

مسرت حلالی پہلی عورت محتسب اعلیٰ

بقیہ صفحہ 1سے

ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی نائب صدر،جبکہ سال98-1997 تک سیکرٹری جنرل ہائیکورٹ بارایسوسی ایشن بھی رہیں۔

2نومبر2001ءکو انہیں ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل نامزد کیا گیا اوراس حیثیت میں 6مارچ2004 تک خدمات سرانجام دیں۔

مسرت حلالی نے پشاور ہائیکورٹ،فیڈرل شریعت کورٹ اورسپریم کورٹ آف پاکستان میں بہت سارے کیس لڑے ہیں۔محتسب مقرر ہونے سے پہلے وہ انوائرنمنٹل پروٹیکشن ٹریبونل کی چیئرپرسن تھیں۔

اداریہ

جس طرح ایک ڈھانچے کو بنانے اوراسے سہارادینے کیلئے ستون کھڑے کئے جاتے ہیں بالکل اسی طرح حکومتی معاملات میں توازن قائم رکھنے کیلئے متوازی ادارے بنائے جاتے ہیں۔ تاہم یہ معاملہ عدالتی انصاف کے معاملے میں سچا ثابت ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔وفاقی شرعی عدالت کا حالیہ فیصلہ اسکی ایک مثال ہے۔وفاقی شرعی عدالت کے 3رکنی بینچ نے،جوکہ چیف جسٹس آغارفیق احمد خان کی سربراہی میں جسٹس افضل حیدراورجسٹس شہزادوشیخ پر مشتمل تھا،22دسمبر 2010ءکواپنے ایک فیصلہ میں ویمن پروٹیکشن ایکٹ2006ءکی شقوں28,25,11اور 29 کوغیر آئینی قرار دیتے ہوئے منسوخ کردیا کہ یہ حدود آرڈیننس1979ءکوغیرموثر بناتی ہیں اورآئین کے آرٹیکل203ڈی ڈی کی بھی نفی کرتی ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ واضح طور پرعورتوں کے حقوق،صنفی مساوات کیلئے جدوجہد اوراُن کے حق قانون سازی پرایک حملہ ہے۔اس کے باقاعدہ تجزیے میں یہ فیصلہ آئین پارلیمنٹ کے حق قانون سازی کواوراس کیساتھ اعلیٰ عدالتوں (ہائی کورٹس،سپریم کورٹ) کے اُس دائرہ کارکوچیلنج کرتا ہے جوانہیں اختیار دیتے ہیں کہ وہ پارلیمنٹ سے منظورکئے گئےقوانین کی تشریح کرے اوران پرعمل کرائے۔

وفاقی شرعی عدالت نے یہ فیصلہ جن حالات اوروقت پرکیا وہ توجہ طلب ہیں۔یہ فیصلہ ایک ایسے وقت میں لیا گیا جب خواتین رکن پارلیمنٹ اپنے خودمختارعہدوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے امتیازی قوانین کوچیلنج کررہی ہیں اورعورتوں کیساتھ گھریلوتشدد کیخلاف اوران کے بنیادی حقوق کے تحفظ کیلئے نئے قوانین متعارف کرارہی ہیں؛ پارلیمانی جمہوریت مضبوط ہورہی ہے اور 18ویں اور19ویں ترمیم کے بعدصوبوں کوخودمختاری دی جارہی ہے جب کہ اعلیٰ عدلیہ کافی متحرک نظرآتی ہے اورعام شہریوں کی فلاح وبہبود بارے خودمختارفیصلے کرتے دکھائی دیتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ تمام تاریخی کامیابیوں کوچیلنج کرتے ہوئے اپنے دائرہ کارکو لامحدوداورغیرآئینی حدودتک بڑھاتا دکھائی دیتا ہے۔اس فیصلے نے سول سوسائٹی میں ایک بحث چھیڑدی ہے۔ہیومن رائٹس تنظیموں اورنیٹ اتحادوں نے یہ متفقہ فیصلہ دیا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت اوراس کیساتھ متوازی عدالتی نظام بشمول جرگہ،پنچائیت کوختم ہونا چاہیے۔

پس سول سوسائٹی کی تنظیموں نے اپنے فوری ردعمل میں اس فیصلے کواعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا ہے،آزاداورخودمختارلوگ بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ متوازی عدالتی نظام جیسا کہ وفاقی شرعی عدالت ایک آمر نے اسلام کے نام پراپنے اقتدارکوطوالت بخشنے کیلئے قائم کیا،وہ سمجھتے ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت نے تقریباً تمام جرائم کو حدود کے دائرہ میں ڈال کر لامحدود اختیارات حاصل کرتے ہوئے اپنادائرہ کاربڑھانے کی کوشش کی ہے۔

قانون سازی پر نظر

عورت پبلیکیشن اینڈ انفارمیشن سروس فاؤنڈیشن

’قانون سازی پرنظر‘ عورت پبلیکیشن اینڈانفارمیشن سروس فاؤنڈیشن کے لیجسلیٹو واچ پروگرام فارویمنز امپاورمنٹ کی رسورس سروس کی طرف سے اسلام آباد سے تیارکیا جاتا ہے۔

ایڈوائزری بورڈ

آئی۔اے۔رحمان، طاہرہ عبداللہ، نعیم مرزا

ایڈیٹوریل بورڈ

وسیم واگھا، ثروت وزیر

آپکے خطوط،آراءاورتحریریں باعث خوشی ہونگی۔رابطہ کیلئے:

عورت فاؤنڈیشن،مکان نمبر12،سٹریٹ نمبر12،F-7/2،اسلام آباد

فون: 051-2608956-8 ای میل: lwprs@af.org.pk

فیکس: 051-2608955 ویب سائٹ: www.af.org.pk

پرنٹنگ بشکریہ:ایم ایف اے،ناروے

25نومبر: عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کا عالمی دن

مرابل سسٹرز نے جمہوریت اور سماجی آزادی کیلئے جان دی

مرابل سسٹرز پیٹریشیا، منروا اور ماریہ ٹیریسیا نے ڈومنیکین ریپبلیکن کے علاقے اوجوڈی آگا میں ٹروجی لو آمریت کے دور میں، ایک خوشحال گھرانے میں پرورش پائی۔ 1950 میں جب یہ تین بہنیں جوان تھیں تو ٹروجی لوڈ آمریت کے خلاف ایک زیر زمین تحریک شروع ہوئی۔

منروا، ماریہ ٹیریسیا اور پیٹریشیا میرابل ایک کے بعد ایک آمریت کے خلاف مزاحمت میں شامل ہوگئیں۔

بعدازاں اپنی سیاسی جدوجہد کی وجہ سے یہ بہنیں تتلیوں کے نام سے مشہور ہوکر خواتین رہنماء بن گئیں۔ حکومت نے ان تین بہنوں کے خاوندوں کو جیل میں ڈال دیا۔ 25نومبر1960ء کی شام جب مرابل سسٹرز اپنے اپنے خاوندوں سے پرٹو پلاٹا کی ایک جیل میں ملاقات کر کے گھر واپس لوٹ رہی تھیں تو حکومتی کارندوں نے انکی جیپ دھماکے سے اڑادی جس سے یہ تین خواتین اور ان کا ڈرائیور شدید زخمی ہوکر ہلاک ہوگئے اس قتل کو چھپانے کیلئے ان کی لاشوں کو جیپ میں ڈال کر ایک چٹان سے لڑھکا دیا گیا۔

مگر ڈومنکین کی عوام نے اس حادثے بارے حکومتی موقف کو ماننے سے انکار کردیا۔ تاریخ دانوں نے ان بہنوں کے قتل کو ٹروجی لو میں آمریت کے اختتام کا نقطہ قرار دیا۔ مرابل سسٹرز کا آمر کے اشارے پر قتل نے آمریت کیخلاف تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی۔ جس کے بعد کیتھولک چرچ بھی آمرانہ حکومت کے خلاف ہوگئی۔ 30 مئی 1961ء کو ٹروجی لو کو جلا کر قتل کردیا گیا۔

مرابل سسٹرز کے قتل کی کہانی

مرابل بہنوں کے قتل کی ایک کہانی کچھ اس طرح ہے کہ ایک موسلادھار بارش کی شام اپنے شوہروں مل کر پرٹو پلاٹا جیل سے واپس آرہی تھیں۔ انہوں نے اپنے شہر سالسڈو سے اپنے ڈرائیور روفینو ڈی لاکروز کے ساتھ سفر کیا تھا۔ یہ 25 نومبر 1960ء کا دن تھا۔ انہوں نے مین ہائی وے پرٹو پلاٹا اور سینٹیا گو درمیان اپنے گھر واپسی کا سفر کیا۔ اس دوران ایک خفیہ پولیس والے نے ان کی جیپ روکی، جس طرح ٹروجیلو نے منصوبہ بندی کی ہوئی تھی

کوئی نہیں جانتا کہ اس رات کیا ہوا؟ لیکن ایک کہانی

پیٹریسا مرسیڈیز مرابل: 27فروری 1924 تا 25نومبر 1960

منروا جنٹینا مرابل: 12مارچ 1926 تا 25نومبر 1960

انٹونیا ماریہ ٹیریسا مرابل: 15اکتوبر 1935، تا 25نومبر 1960

مرابل سسٹرز پیٹریسا، منروا اور ماریہ ڈومینکن ریپبلک کی مقامی باشندہ تھیں اور انہوں نے ٹروجی لو کے خلاف ظالمانہ آمریت کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے اس آمریت کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور قومی ہیرو کے طور پر کھڑی ہوگئیں۔ اس زمانے میں وہ ایک امیر گھرانے میں پلی پڑھی تھیں اور تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ تھیں جب خواتین کو اچھی تعلیم نہیں دی جاتی تھیں۔

مرابل ریاس کا گھرانہ شمالی ساحل کے قریب واقع سلیڈو کا ایک خوشحال گھرانہ تھا۔

مرابل سسٹرز کا والد انرقیو مرابل فرنینڈز تھا جس نے مرسیڈیز رائس کملیو کیساتھ شادی کی تھی۔ ان کی ماں کو Chea بھی کہا جاتا تھا۔

پیٹریسیا مرسیڈیز مرابل 27فروری 1924 کو پیدا ہوئی اور اس کا نام اسکی تاریخ پیدائش کے حوالے سے رکھا گیا جو کہ ڈومینکن ریپبلک کی آزادی کا دن بھی تھا۔ پیٹریسیا نے اپنی بہن منروا کی حکومت مخالف جدوجہد میں مدد کی اور آمر ٹروجی لو کی مخالفت کی، پیٹریسیا کے بارے میں عام طور پر مشہور ہیکہ وہ اکثر کہتی تھی کہ ''ہم یہ اجازت نہیں دیں گے کہ ہمارے بچے اس بدعنوان اور آمریت کے دور میں جوان ہوں۔ ہمیں ان کے خلاف لڑنا ہوگا اور میں ہر چیز چھوڑنے پر تیار ہوں حتیٰ کہ اگر زندگی بھی چلی جائے''۔

منروا ارجنٹینا مرابل 12 مارچ 1926ء کو پیدا ہوئی۔ اپنی ابتدائی زندگی سے ہی اس نے قابلیت کا مظاہرہ کیا۔ منروا نے سانٹو ڈومینکن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور یہ وہی جگہ جہاں پر اس نے اپنے مستقبل کے شوہر (مینویل) سے ملاقات کی۔ دونوں نے 20نومبر 1955 میں شادی کی اور ان کے 2 بچے ہوئے جن کا نام مینو اور مینولیٹو تھا۔ منروا یہ عام طور پر کہا کرتی تھی کہ ''یہ بات ہمارے لئے قابل فخر ہے کہ ہم اپنے ملک کیلئے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں وہ کریں جو کہ بڑے مسائل کا شکار ہے''۔

مرابل سسٹرز میں سب سے کم عمر بہن ماریہ ٹریسیا 15 اکتوبر 1936 کو پیدا ہوئی ریاضی اس کا پسندیدہ مضمون تھا، وہ اپنی بہن منروا کے راستے پر چلتی اور اس کے کاموں کی تعریف کرتی اور بعدازاں اپنی بہنوں کی سیاسی سرگرمیوں میں شامل ہوگئی۔ وہ یہ کہا کرتی تھی کہ ''شاید ہم موت کے بہت قریب ہیں لیکن اس خیال سے ہمیں ڈرایا نہیں جا سکتا اور ہم اپنی لڑائی جاری رکھیں گے جو کہ بالکل جائزہ ہے''۔

سریا کولا روسا سے منسوب ہے جو کہ اس سازش کا حصہ تھا یہ کہانی ڈومنیکن انسائیکلوپیڈیا 1997 سی ڈی روم سے لی گئی ہے جو کچھ اس طرح ہے:

وہ کہتا ہے کہ ''انہیں روکنے کے بعد ہم انہیں ایک گڑھے کے قریب لے گئے جہاں پر میں نے روجاز کو حکم دیا کہ کچھ چھڑیاں اٹھاؤ اور ان میں سے ہر ایک بہن کو ایک چھڑی دے دو اس نے حکم کی تعمیل کی اور اسی میں سے ایک کو چھڑی کو دے دی جس کے بکھرے ہوئے بال تھے وہ ماریہ تھی۔

الفانسو کروز نے لمبی چھڑی والی کو لیا جو کہ منروا تھی اور ملیٹا نے ڈرائیور روفینو ڈی لاکروز کو پکڑا۔ میں نے ہر ایک کو حکم دیا کہ گنے کی کھیت میں چلے جاؤ جو کہ سڑک کے کنارے واقع تھا۔ اس طرح ہر کوئی دوسرے سے علیحدہ کردیا گیا۔ اور یوں وہ ایک دوسرے کے قتل سے آگاہ نہ ہوسکیں۔ میں پیریز ٹیریرو کو حکم دیا کہ یہیں رُکو اور دیکھو کہ کوئی اس صورتحال کو بھانپنے کے بعد باہر تو نہیں آرہا۔ یہ صورتحال کی سچائی تھی۔ میں انصاف یا ریاست کیساتھ دھوکہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں اس اندوہناک واقعے کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن ایسا نہ کرسکا کیونکہ اگر ایسا کرتا تو ٹروجی لو نے ہم سب کو قتل کردیا ہوتا، میرابل سسٹرز اور ان کے ڈرائیور روفینو ڈی لاکروز کو اس طرح اکٹھا کیا گیا، انہیں مارا پیٹا گیا اور پیورٹو پلازہ اور سینٹیا گو کے درمیان ایک پہاڑی سڑک کیساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

پیٹریشیا 36 سال، منروا 34 اور ماریہ 29 برس کی تھیں۔

ڈی ڈی جو کہ اپنی بہنوں میں سب سے کم عمر تھی اُس مہلک دن پر ان کیساتھ موجود نہ تھی۔ اُن کے قتل کے بعد ان کی لاشوں کو جیپ کے پچھلے حصے میں ڈالا گیا اور اس کے بعد کمبر مقام پر ایک چٹان سے نیچے کیطرف لڑھکا دیا تا کہ یہ بتایا جا سکے کہ وہ حادثہ تھا جو کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے ہوا۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ ٹروجی لو نے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا اور یہ ٹروجی لو کے خاتمے کا آغاز تھا۔ ٹروجی لو خود نہیں جانتا تھا کہ 6 ماہ کے کم عرصے میں اسے 1961 میں قتل کردیا جائے گا۔

ان بہنوں کو ڈومنیکن کی نصابی کتابوں میں قومی شہدا کی حیثیت حاصل ہے۔ —— سٹاف رپورٹ

اسلام آباد میں تشدد سے متاثرہ عورتوں سے ملاقات

عورت فاؤنڈیشن نے 26دسمبر 2010ء کے دن تشدد سے متاثرہ عورتوں سے ملاقات کی جو 'شہید بے نظیر بھٹو سینٹر فار ویمن' میں مقیم ہیں تا کہ اُن عورتوں کو ملا جائے اور اُن کے احوال معلوم کیے جائیں۔ اس وفد میں مشہور ترقی پسند سماجی کارکن اور پیشہ وار ڈاکٹر میریلن ویاٹ، جو پاکستان میں امریکی سفیر کیمرون منٹر کی اہلیہ ہیں، اور سیمی کمال، صنفی مساوات پروگرام کی پارٹی چیف، بھی شریک تھیں۔ ڈاکٹر ویاٹ نے میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے کہا ''یہ بات قابل تعریف ہے کہ بحرانی صورتحال کے باوجود پاکستانی حکومت نے تشدد کی شکار عورتوں کی امداد کرنے کیلئے پورے ملک میں ایک نیٹ ورک بنایا ہوا ہے''۔ وفد تشدد سے متاثرہ عورتوں سے ملا اور سینٹر کے منتظمین متاثرہ عورتوں اور ان کے بچوں کے لئے جو وہاں پر رہائش پذیر تھے ایک مہینے کے چاول، چینی، دودھ مہیا کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اس ٹریننگ سنٹر کا بھی دورہ کیا جہاں پر تشدد کا شکار عورتوں کو مختلف ہنر کی تربیت دی جاتی تھیں۔

صنفی برابری اور متعلقہ قوانین کی ماہر سعدیہ ممتاز، اندرونی بے دخلی کے شکار لوگوں کے حوالے سے پالیسی ڈرافٹ تشکیل دینے والے ورکنگ گروپ کی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے۔ یہ میٹنگ 29دسمبر 2010 کو منعقد کی گئی۔ انکے دائیں طرف سلیمان حیدر لیکچرر فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی اور نیئر شبانہ نیشنل کوارڈینیٹر لیجسلیٹو واچ پروگرام فار ویمن ایمپاورمنٹ، عورت فاؤنڈیشن۔

عورتوں کے ملک گیر اجتماع کا گھریلو تشدد کیخلاف فوری قانون سازی کا مطالبہ

عورتوں پر تشدد کے خاتمے کیلئے 16 دن کی سرگرمیوں کے حوالے سے عورت فاؤنڈیشن نے آکسفیم جی بی اور 'ہم کر سکتے ہیں' مہم کے ساتھ ملکر 4 دسمبر 2010 کو شاہ لطیف بھٹائی آڈیٹوریم میں ایک خواتین یکجہتی میلے کا انعقاد کیا۔ یہ دن بین الاقوامی طور پر ہر سال 25 نومبر سے 10 دسمبر تک منایا جاتا ہے۔

عورت فاؤنڈیشن کے چیف آپریٹنگ آفیسر نعیم مرزا، آکسفیم جی بی کی ملکی نمائندہ نیوا خان نے شرکاء کا استقبال کیا۔ یونس خالد، نیئر شبانہ، ثروت وزیر نے مختلف سیشن کو کوارڈینیٹ کیا۔

نیوا خان نے عورتوں پر تشدد کے خاتمے کیلئے مشترکہ کوششوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں سے ہے جس میں مرد اور عورت کا تناسب منفی ہے یعنی کہ 100 عورتوں کے لئے 108.5 مرد ہیں۔ نعیم مرزا نے گھریلو تشدد کے خاتمے کیلئے فوری قانون سازی کا مطالبہ کیا۔

دوسرا سیشن جس کا عنوان عورتوں کے تشدد کے خاتمے کیلئے کوششیں اور کامیابیاں تھا، اس میں معاشرتی اور مقامی علاقوں اور مختلف اداروں کی خواتین رہنماؤں نے اپنے تجزیے بیان کیے۔

انسانی حقوق کی نامور رکن طاہرہ عبداللہ نے بھی اس سیشن سے خطاب کیا۔ ثمینہ نذیر، ایگزیکٹو ڈائریکٹر پودا اور 6 خواتین رہنماء جس میں سیالکوٹ سے نسیم شکیل، ڈی جی خان سے طیبہ عزیز، بھکر سے رفعت خان، راولپنڈی سے رضیہ سلطانہ اور نوشہرہ سے نگار روف شامل تھیں۔

تیسرے سیشن میں ایک ڈاکومنٹری دکھائی گئی جو کہ ایتھنو میڈیا کی سربراہ ثمر من اللہ نے پیش کیں، جو دوسری ڈاکومنٹریز دکھائی گئیں ان میں آکسفیم جی بیکی 'ہم کر سکتے ہیں مہم' بھی شامل تھیں جس کا مقصد عورتوں پر تشدد کے خاتمے بارے آگاہی پیدا کرنا تھا، چوتھے سیشن میں لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک ریسورس سنٹر اور سیالکوٹ کے تھیٹر گروپ نے دفعہ 509 کے نام سے ڈرامہ پیش کیا۔ یاد رہے کہ سیکشن نمبر 509 حال ہی میں کام کی جگہ پر ہراساں کرنے کے بل 2010 شامل کی گئی ہے۔

فنکاروں نے بل میں موجود بہت سی شقوں پر روشنی ڈالی جن کے تحت کام کی جگہ پر خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے خلاف شکایت درج کرائی جا سکتی ہے۔

زمرد خان چیئرمین بیت المال بھی چوتھے اور پانچویں سیشن کے مہمان خصوصی تھے۔ زمرد خان نے اپنے خطاب میں کہا کہ عورتوں کو جنسی ہراساں کرنے کا بل پارلیمنٹ سے پاس کرانا محترمہ بے نظیر بھٹو کا وژن اور پی پی پی کی سنجیدگی کا آئینہ دار ہے۔ بعدازاں عورت فاؤنڈیشن کے سٹاف نے دیگر سول سوسائٹی کے لوگوں کیساتھ مل کر عورتوں کے روایتی ترانے 'دریا کی قسم، مجنوں کی قسم، یہ تانا بانا بدلے گا، تو خود تو بدل تو خود کو بدل پھر ہی تو زمانہ بدلے گا' گایا۔

مشہور ڈانسر اور انسانی حقوق کیلئے سرگرم رکن شیما کرمانی نے اپنے گروپ کے ساتھ کوریوگرافی کی جس کا عنوان تھا عورتوں پر تشدد اور معاشرے کی شدت پسندی۔ کوریوگرافی میں ڈانس کے ذریعے اُس سماجی اور تہذیبی تشدد کو موضوع بنایا جس کا عورتوں کو مردانہ معاشرے میں سامنا کرنا پڑتا ہے کہ بارے میں کیا گیا ہے۔

آخر میں مشہور گلوکارہ عالیہ رشید نے اپنے گروپ کیساتھ صوفیانہ اور کلاسیکل موسیقی پیش کی۔

میلے کا اہتمام کرنے والی تنظیموں، فرسٹ ویمن بینک لمیٹڈ، منسٹری آف ہیومن رائٹس، پاکستان ریڈ کریسنٹ، پودا اور عورت فاؤنڈیشن نے اپنے معلوماتی مواد، کتب اور ہینڈی کرافٹس کی نمائش کے لئے سٹال بھی لگائے۔

انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے

عورت فاؤنڈیشن کے کراچی آفس نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، ایشیئن ہیومن رائٹس کمیشن، پاکستان انسٹی ٹیوٹ برائے لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ (پائلر) اور یوتھ فار ہیومن رائٹس انٹرنیشنل کے تعاون سے 10 دسمبر 2010 کے دن پی ایم اے ہاؤس کراچی میں انسانی حقوق کا عالمی دن منانے کیلئے ایک سیمینار منعقد کیا۔ جسٹس ریٹائرڈ شائق عثمانی، سپریم کورٹ بار کے سابقہ صدر منیر ملک، ریذیڈنٹ ڈائریکٹر عورت فاؤنڈیشن کراچی مہناز رحمان، سماجی کارکن اور کالم نگار نظام الدین نظامی اور یوتھ فار ہیومن رائٹس سے فریدہ عباسی' پائلر سے مزدور رہنماء فرید اعوان اور سابقہ سینیٹر ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ نے اس سیمینار سے خطاب کیا۔ توقیر چغتائی نے اس موقع پر ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ شرکا نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انسانی حقوق کے تحفظ پر روشنی ڈالی اور پاکستان میں انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال کا تجزیہ بھی پیش کیا۔

عورت فاؤنڈیشن کراچی کی ریذیڈنٹ ڈائریکٹر مہناز رحمان نے سیمینار کے شرکاء کو بتایا کہ 2009 میں پورے ملک میں عورتوں کیخلاف 8541 واقعات ہوئے۔ جن میں سے غیرت کے نام پر قتل کے 245 واقعات شامل ہیں

لاہور میں دیا جلاؤ تقریب کا اہتمام

عورت فاؤنڈیشن لاہور نے 25 نومبر کو لاہور پریس کلب کے سامنے عورتوں پر تشدد کے خاتمے کیلئے 16 دن کی سرگرمیوں کا آغاز موم بتیاں جلا کر کیا۔ تقریب میں مشہور سیاستدان اور سابقہ ممبر قومی اسمبلی مہناز رفیع، ریذیڈنٹ ڈائریکٹر عورت فاؤنڈیشن نسرین زہرا اور سول سائٹی کی تنظیموں کے مختلف لوگوں نے شرکت کی۔

عورت فاؤنڈیشن کے سٹاف نے مختلف پلے کارڈز تیار کیے جن پر عورتوں پر تشدد کے خاتمے اور ان کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کیخلاف نعرے درج تھے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی بہت بڑی تعداد نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔

دیا جلاؤ تقریب میں سول سوسائٹی اور این جی اوز کے انسان دوست کارکنوں نے 'عورتوں پر تشدد کے خاتمے کے 16 دن' کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور عالمی طور پر یہ دن منانے کی تاریخ بھی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو بیان کی۔ شرکاء نے اس بات اعادہ کیا کہ وہ عورتوں پر تشدد کے خاتمے کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

انسانی حقوق کارکنان کیلئے شہید بے نظیر بھٹو انسانی حقوق ایوارڈ

9دسمبر2010 کوصدر ہاؤس اسلام آباد میں 'انسانی حقوق کا بین الاقوامی دن 10دسمبر' منانے کیلئے منسٹری آف ہیومن رائٹس نے یونی فیم کے تعاون سے اس تقریب کا اہتمام کیا۔ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والے کارکنوں کی خدمات کوسراہا گیا۔

اوپر والی تصاویر میں صدر زرداری، مشہور کارکنان انسانی حقوق کوشہید بے نظیر بھٹوانسانی حقوق ایوارڈ دے رہے ہیں۔ دائیں سے بائیں: نگار احمد، ایگزیکٹو ڈائریکٹر عورت فاؤنڈیشن کی بانی سب سے پہلے تھے اور جنہوں نے ملک میں قانونی حقوق اورصنفی مساوات کے پروگرام کا آغاز کرنے پرایوارڈ وصول کیا۔ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے تقریب میں شریک نہ ہوسکیں۔ان کا ایوارڈ محمد تحسین، ایگزیکٹو ڈائریکٹر ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ لاہور نے وصول کیا۔ محمد تحسین جوعورت فاؤنڈیشن کے بورڈ آف گورنر کے ممبر بھی ہیں،اس موقع پرانہوں نے اپناایوارڈ بھی وصول کیا۔ اگلی تصویر میں نسرین اظہر جو کہ ویمن ایکشن فورم اورنیشنل کمیشن آن دی سٹیٹس آف ویمن پاکستان کی ممبر اورمشہور انسانی حقوق کی کارکن ہیں،ایوارڈ لیتے ہوئے۔عورت فاؤنڈیشن کے چیف آپریٹنگ آفیسرنعیم مرزا نے عورتوں کے حقوق کی ایڈووکیسی میں خدمات اداکرنے پرایوارڈ وصول کیا۔

سول سوسائٹی تنظیموں کے ممبر ماروی سرمد، ریحانہ ہاشمی اور چوہدری شفیق بھی صدر سے ایوارڈ وصول کررہے ہیں۔ ثمینہ نذیر،ایگزیکٹو ڈائریکٹر، پوٹھوہار آرگنائزیشن فار ڈویلپمنٹ ایڈووکیسی اپنے دفتر میں انسانی حقوق ایوارڈ کیساتھ۔

سلامتی کونسل کی قرارداد 1325 اوراسکے اثرات پر بحث

عورت فاؤنڈیشن کے لیجسلیٹو واچ پروگرام لاہورٹیم نے 3نومبر2010 کومقامی ہوٹل میں سلامتی کونسل کی قرارداد1325 اوراس کے ثمرات کے عنوان سے ایک بحث کا اہتمام کیا۔اس سیمینار میں سول سوسائٹی کی تنظیموں کے عہدیدار، وومن پارلیمنٹرین شعبہ تعلیم اورخواتین سیاسی کارکنوں نے شرکت کی۔محترمہ روبینہ سہگل نے سلامتی کونسل کی قرارداد1325 کی تاریخ پرروشنی ڈالی، جبکہ شہربانوخان نے اس قرارداد کے آرٹیکل 18 بارے شرکاءکوآگاہ کیا۔اس موقع پر وزیراعلیٰ پنجاب کی ایڈوائزر محترمہ ذکیہ شاہنواز بطورمہمان خصوصی شرکت کی۔

عورت فاؤنڈیشن نے 11نومبر2010 کواسلام آباد میں 'قومی اورصوبائی سطح پرعورتوں کے مسائل پرقانون سازی میں پیش رفت' کے حوالے سے مشاورت کا اہتمام کیا۔جس میں مجلس قائمہ برائے ترقی نسواں کی چیئرپرسن بشریٰ گوہر بطورمہمان خصوصی شامل تھیں۔ انکے علاوہ (بائیں سے دائیں): مہناز رحمان، ریذیڈنٹ ڈائریکٹر عورت فاؤنڈیشن کراچی، ذکیہ شاہنواز، ایڈوائزروزیراعلیٰ پنجاب، توقیر فاطمہ بھٹو، وزیرترقی نسواں، سندھ، آمنہ انصاری، ممبرلیجسلیٹواسمبلی گلگت بلتستان، اورراحیلہ درانی، وزیربرائے استغاثہ بلوچستان

سول سوسائٹی تنظیموں اورسیاسی جماعتوں کے نمائندوں، یونیورسٹی کے طلباوطالبات، انسان دوست خواتین کارکنوں، دانشوروں،شاعروں اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں نے انسانی حقوق اتحاد کے پلیٹ فارم پراکٹھے ہوکرکوہسار مارکیٹ اسلام آباد میں شہید سلمان تاثیرکوخراج تحسین پیش کرنے کیلئے موم بتیاں جلانے کی تقریب کا اہتمام کیا۔گورنر پنجاب سلمان تاثیرکو4جنوری 2011،اسلام آباد میں شہید کردیا گیا۔

پاکستان سے سول سوسائٹی تنظیموں اورذرائع ابلاغ سے وابستہ خواتین کےایک وفدکوریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے انٹرنیشنل وزیٹرز پروگرام کے تحت ستمبر۔ اکتوبر2010 کوتربیتی دورے کیلئے مدعو کیا۔عورتوں کے اس وفد نے چارامریکی ریاستوں واشنگٹن، جارجیا، ارکنساس اور نیو یارک کا دورہ کیا۔ اس دورے کا بنیادی مقصد امریکی اداروں مثلاً شعبہ برائے انسانی حقوق، شعبہ سیاست، اقوام متحدہ کے اداروں اوراین جی او کے ساتھ معلوماتی تعارف تھا۔ پاکستانی خواتین کا یہ وفد ملکہ خان، ربیعہ ہادی، اقصیٰ خان، ارم ولی خان، عاصمہ ملک، زاہدہ دیتھو، عالیہ اعجاز، زینب سعید، ہمافولادی اورآئمہ محمود پر مشتمل تھا۔